علم: اس کی اقسام اور اس کے فوائد

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

علم' دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا، وہ بہر حال انسانیت کے لیے تمغۂ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے اور تعلیم کا مقصد فضل وکمال سے آراستہ ہونا اور میراثِ انسانیت کا حاصل کرنا ہے۔ موضوع کے لحاظ سے علم کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں: ۱:...... دینی علوم اور ۲:...... دنیاوی علوم۔

دینی علوم کے اصل ثمرات وبرکات تو آخرت ہی میں ظاہر ہوں گے، تاہم جب تک دنیا میں اسلام کی عزت ورفعت کا دور دورہ رہا دنیا میں بھی اس کی منفعتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ علماء دین' قاضی، قاضی القضاۃ، مفتی اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے محاکمِ عدلیہ اور محاکمِ احتساب کے مناصب پر فائز ہوتے تھے۔ ملک وملت کے لیے ان کا وجود سایۂ رحمت سے کم نہیں تھا، ان کی خدا ترسی، حق پسندی اور عدل پروری کی بدولت معاشرہ میں امن وعافیت کی فضا قائم تھی اور اسلام کے عادلانہ احکام کا نفاذ بہت سے معاشرتی امراض سے حفاظت کا ضامن تھا۔

الغرض دینی مناصب کے لیے علماء دین ہی کا انتخاب وتقرر ہوتا تھا اور آج بھی جن ممالک میں اسلامی نظام کسی حد تک رائج ہے، اس کے کچھ نمونے موجود ہیں اور دنیوی علوم جن کا تعلق براہِ راست دنیا کے نظام سے تھا، مثلاً: فلسفہ، منطق، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، ہیئت، حساب، طب و جراحت وغیرہ ان کے لیے تو حکومتی مناصب بے شمار تھے۔

اور علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیاوی، محض موضوع کے لحاظ سے ہے، مگر اس کے معنی دین ودنیا کی تفریق کے ہرگز نہیں، چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انہیں خدمتِ خلق، اصلاحِ معاش اور تدبیرِ سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آجاتے ہیں

اور اس کے لیے احادیث نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، مثلاً: ایک حدیث میں ہے:

”من تعلم علمًا مما يُبتغى به وجه اللّٰه لا يتعلمهٗ إلا ليصيب بهٖ عرضًامن الدنيا لم يجد عَرَفَ الجنة يوم القيامة، يعنى ريحَها“۔ (‰ة، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص:۳۴، ط: قدیمی)

”جس شخص نے وہ علم 5 جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوسکتی ہے اور پھر اس کو متاعِ دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”من طلب العلمَ ليُجارىَ بهٖ العلماءَ أوليُمارىَ بهٖ السفهاءَ أويصرف وجوهَ الناس إليه أدخله اللّٰهُ النارَ“۔ (‰ة، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص:۳۴، ط: قدیمی)

”جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے۔“

بہر حال ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلبِ آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے، گویا اصل مدار مقاصد و نیّات پر ہے کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون و مددگار اور صنعت و حرفت کے تمام شعبے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے وسائل بن جاتے ہیں۔

علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہوں یا دنیوی ان سب سے مقصد رضائے الٰہی کے مطابق ایک صالح معاشرہ کا قیام ہونا چاہیے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص جس شعبۂ زندگی سے منسلک ہو وہ اس شعبہ سے متعلق بقدرِ ضرورت دینی مسائل سے بھی واقف ہو۔ مسلمان تاجر ہو تو تجارت سے متعلقہ دینی مسائل کا عالم ہو، انجینئر ہو تو عالم ہو، طبیب اور ڈاکٹر ہو تو عالم ہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو خلافتِ راشدہ کا تابناک دور ہے، ایک قانون یہ تھا:

”لا يبع فى سوقنا هٰذا من لم يتفقه فى الدين“۔ (سنن الترمذی، ابواب صلوٰۃ الجمعۃ، ج:۱، ص:۱۱۰، ط: قدیمی)

”جو شخص فقیہ (دینی مسائل کا ماہر) نہ ہو اس کو ہمارے بازار میں خرید و فروخت کی اجازت نہیں۔“

گویا دنیا کمانے کے لیے بھی علم دین کی ضرورت ہے، تاکہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی ✕ ہوسکے اور خالص سود، سودی کاروبار اور غیر شرعی معاملات میں مبتلا نہ ہو۔

الغرض ایک دور ایسا تھا کہ ہر ہنر و کمال کا مقصد آخرت اور رضائے الٰہی تھا اور اب ایک دور ایسا آگیا ہے کہ ہر چیز کا مقصد دنیا ہی دنیا بن کر رہ گیا، بلکہ اب تو اس میں بھی اس قدر تنزل رونما ہوا ہے کہ دنیا کی بھی تمام حیثیتیں ختم ہوکر رہ گئیں، اب تو واحد مقصد صرف پیٹ رہ گیا ہے۔ دنیا کے ہر علم و ہنر اور فضل و کمال کا منتہائے مقصود بس یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ جہنم بھر جائے۔

جدید تعلیم اور اس کا مقصد

قدیم اصطلاح میں تو دینی علم ہی علم کہلانے کا مستحق تھا، دنیاوی علوم کو فنون یا ہنر سے تعبیر کیا جاتا تھا، مگر آج کی اصطلاح یہ ہوگئی ہے کہ قدیم علوم کے ماہر کو عالم کہا جاتا ہے اور جدید علوم کے ماہرین کو تعلیم یافتہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ امریکہ اور یورپ وغیرہ کے جو ممالک جدید علوم کے امام ہیں وہاں آج بھی کسی تعلیم یافتہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کسی اسکول میں ٹیچر، کسی کالج میں پروفیسر یا سرکاری دفتر میں ملازم ہو، بلکہ وہاں تعلیم کا مقصد ہنر وکمال کی تحصیل سمجھا جاتا ہے، تاکہ ہر شعبۂ حیات میں ہنر وکمال کے مالک افراد موجود ہوں۔ ان ممالک میں ٹیکسی ڈرائیور اور بسوں کے کنڈیکٹر بھی گریجویٹ ہوتے ہیں۔ یہ کہیں بھی نہیں سمجھا جاتا کہ بی اے یا ایم اے ہونے کے بعد دکان پر بیٹھنا یا کارخانے میں جانا یا ڈرائیور بننا باعث توہین ہے، پھر نہ معلوم ہمارے ملک میں یہ کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص تعلیم یافتہ یا گریجویٹ ہو اس کے لیے سرکاری ملازمت لازم ہے، ورنہ اس کی حق تلفی اور اس کی ڈگری کی توہین متصوّر رہو گی۔

برطانوی دور میں اس جدید تعلیم کا مقصد بلاشبہ یہی سمجھا گیا تھا کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تیار ہونے والے افراد سرکاری مشینری کے کل پرزے بنیں گے، کیونکہ اس اجنبی ملک میں حکومت کی انتظامی ضرورت پوری کرنے کے لیے ان کو ایک ایسی نسل کی ضرورت تھی جس سے ان کی حکومت کا کاروبار چل سکے، وہ انگلستان سے اتنے انگریز یہاں نہیں لا سکتے تھے کہ اتنے بڑے برِّ کوچک کا تمام کام سنبھال سکیں، انہیں دنیا کے دوسرے ممالک پر بھی حکمرانی کرنی تھی۔ کلیدی مناصب تو ضرور وہ اپنوں ہی کو دیا کرتے تھے یا پھر ان کو جو سو فیصد ان کے حاشیہ بردار بن جائیں، مگر نیچے درجہ کے لیے انہیں یہیں سے آدمی مہیا کرنے تھے۔ علاوہ ازیں اس جدید تعلیم سے انگریز کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی لوگ انگریزی تہذیب وتمدن کے اتنے دلدادہ ہوجائیں کہ ظاہر وباطن میں انگریز ہی انگریز نظر آئیں اور لارڈ میکالے کی پیش گوئی پوری ہوجائے۔

الغرض یہ ذہنیت انگریزی دور کی پیداوار ہے کہ تعلیم حاصل کرنا صرف ملازمت کے لیے ہے، ظاہر ہے کہ تعلیم کی رفتار میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور سرکاری مناصب اور ملازمتیں محدود ہیں، تعلیمی تناسب سے ان میں اضافے کا امکان نہیں، نہ یہ ممکن ہے کہ تمام تعلیم یافتہ افراد کو سرکاری ملازمتوں میں کھپایا جاسکے اور یہ تو طلبہ کا مسئلہ تھا، اس پر مستزاد یہ کہ طالبات بھی اب تعلیم کے میدان میں اسی تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں اور وہ بھی ملازمت کی خواہاں ہیں۔ جب نئی نسل کو مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو ان میں بے چینی پھیلتی ہے اور اس کا نتیجہ اس عبرت ناک منظر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو گزشتہ دنوں کراچی یونیورسٹی میں تقسیم اسناد کے موقع پر دیکھنے میں آیا کہ گورنر تک کے لیے آبرو بچانا مشکل ہوگیا۔ یہ ہیں جدید تعلیم کی برکات! اور یہ ہیں جدید تعلیم یافتہ حضرات، **إن فی ذٰلک لعبرةً لأولی**

الأبصار۔ یہ صورتِ حال تمام اہل دانش اور اربابِ اقتدار کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ اگر جدید نسل کے اس ذہنی کرب کا صحیح حل تلاش نہ کیا گیا تو اس کے نتائج اس سے زیادہ ہولناک ہوں گے۔

جدید نسل کی بے چینی اور ذہنی کرب کے اسباب

ہمارے نزدیک کرب و بے چینی کے متعدد اسباب ہیں۔ سب سے اہم تو یہ ہے کہ جدید تعلیمی اداروں میں دینی ماحول، دینی تربیت اور دینی ذہن وفکر کی ضرورت کو کبھی محسوس نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے برعکس نئی نسل کو دین سے بیزار کرنے کے تمام اسباب و وسائل مہیا کیے گئے، دین کو ملائیت کا نام دے کر نوخیز ذہنوں کو اس سے نفرت دلائی گئی۔ علمائے دین کے لیے طرح طرح کے القاب تجویز کرکے انہیں تعلیم یافتہ طبقہ کی نظر میں گرانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ ذرائع نشر واشاعت کو تمام حدود و قیود سے آزاد کرکے انہیں بددینی کا مبلغ بنادیا گیا، اس پر مستزاد یہ کہ لادینی نظریات کا پرچار کرنے کے لیے مستقل ادارے قائم ہوئے اور سرکاری طور پر ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی گئی۔ اب خود سوچیے کہ جس نوخیز نسل کے سامنے گھر کا پورا ماحول بے دین ہو، تعلیم گاہوں میں دینی ماحول کا فقدان ہو، گلی کوچوں، سڑکوں اور بازاروں سے بے دینی کا غلیظ اور مسموم دھواں اُٹھ رہا ہو، زندگی کے ایک ایک شعبہ سے دین کو کھرچ کھرچ کر صاف کردیا گیا ہو، والدین سے اساتذہ تک اور صدر سے چپڑاسی تک نئی نسل کے سامنے دینداری، خداترسی اور خوفِ آخرت کا کوئی نمونہ سرے سے موجود نہ ہو اور جس ملک میں قدم قدم پر فواحش ومنکرات، بے حیائی و بداخلاقی اور درندگی وشیطنت کا سامان موجود ہو، کیا آپ وہاں کی نئی نسل سے دین داری، شرافت اور انسانی قدروں کے احترام کی توقع کرسکتے ہیں؟ جس نسل کا خمیر تخریب سے اٹھایا گیا ہو کیا وہ کوئی تعمیری کارنامہ انجام دے سکتی ہے؟ جو خود معاشرہ کے عمومی بگاڑ کی پیداوار ہو کیا وہ کسی درجہ میں بھی معاشرہ کی اصلاح کے لیے مفید اور کارآمد ہوسکتا ہے؟

تم لاکھ تعلیمی ترقی اور اعلیٰ تہذیب کے ڈھنڈورے پیٹو، لیکن خوب یاد رکھو! تعلیم کا ماحول جب تک دینی نہیں ہوگا، نئی نسل کے سامنے والدین، اساتذہ اور اہم شخصیتوں کی شکل میں اخلاق وانسانیت اور دین داری وخدا خوفی کے اعلیٰ نمونے جب تک موجود نہیں ہوں گے، تعلیم میں جب تک دینی تربیت مطمحِ نظر نہیں ہوگی اور جب تک اخلاق واعمال، جذبات وعواطف اور رجحانات ومیلانات کی اصلاح نہیں ہوگی تب تک یہ مصیبت روز افزوں ہوتی جائے گی۔ تعلیم سے جب اسلامی روح نکل جائے، اخلاق تباہ ہوجائیں، انسانی قدریں پامال ہوجائیں اور مقصدِ زندگی صرف حیوانیت اور شکم پروری رہ جائے تو اس تعلیم کے یہ دردناک نتائج ظاہر نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

صد حیف! کہ آج انسانیت کی پوری مشین پیٹ کے گرد گھومنے لگی ہے، آج کی تمام تعلیم، تمام تربیت اور تمام تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی کے تقاضے کیسے پورے کیے جائیں، دین جاتا ہے تو

جائے، اخلاق مٹتے ہیں تو مٹیں، انسانیت پامال ہوتی ہے تو ہو، مگر ہمارے حیوانی تقاضے اور نفسانی خواہشات بہرحال پوری ہونی چاہئیں، نہ دین سے تعلق، نہ اخلاق سے واسطہ، نہ انسانیت کا شعور، نہ افکار صحیح، نہ خیالات درست، نہ خدا کا خوف، نہ آخرت کی فکر، نہ مخلوق سے حیا۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون۔

جدید تعلیم اور اس کے چند مہلک ثمرات

اسی جدید تعلیم اور اس کے لادینی نظام نے لسانی عصبیت اور صوبہ پرستی کی لعنت کو جنم دیا، جس کی وجہ سے مشرقی بازو کٹ گیا اور اب کراچی اور سندھ میں بھی شب وروز اس کے دردناک مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں، نہ معلوم اس بدنصیب قوم کا انجام کیا ہوگا۔ انسانی اقدار اور احترامِ انسانیت کا شعور پیدا کرنے کے لیے دین ومذہب کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم بارہا ان صفحات میں صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ آخرت کی نجات اور دنیا کی سعادت صرف اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات واحکامات میں مضمر ہے، اس کے سوا خسارہ ہی خسارہ ہے، تعلیم کا مقصد روح کی بالیدگی، نفس کی پاکیزگی، سیرت وکردار کی بلندی اور ظاہر وباطن کی طہارت ونظافت ہونا چاہیے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس تعلیمی قالب میں دینی روح بطور مقصد جلوہ گر ہو اور جب تم اپنے وسائل کی پوری قوت سے دین کو ختم کررہے ہو اور دین کا مضحکہ اڑا کر اُسے رسوا کرنے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہو تو اس کے بدترین نتائج کے لیے بھی تیار رہو۔

خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم